محمد علی بی تقصیر

عربی ادب کے لیے اہل ایران کی خدمات

پارسی گو گرچه تازی خوشتر است
عشق را خود صد زبان دیگر است (مولوی)

عموماً اہل ایران پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول نہیں کیا بلکہ فاتحین اسلام نے دین اسلام کو ان کی گردنوں پر مسلط کیا اور اپنے اس موقف کے اثبات کے لیے اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں کہ اہل ایران جب سے اب تک اپنی زبان (فارسی) کی حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے کسی بھی دور میں اپنی فارسی زبان کو عربی زبان میں ضم اور مدغم نہیں ہونے دیا۔

بہت خوب! کیا اسلام قبول کرنے کا یہی مفہوم ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اپنی زبان کو ترک کر کے عربی بولنا شروع کر دیا جائے۔ کیا قرآن و سنت سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایسے عالمی دین میں زبان کا مسئلہ کوئی حیثیت و اہمیت نہیں رکھتا اور یہ بات کبھی اہل ایران کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہوگی کہ فارسی زبان میں گفتگو کرنا اور اس کا احیا کرنا اسلامی عقائد کے منافی ہے اور اگر بہ فرض محال فارسی زبان کی حفاظت و پاسداری سے اسلام کے خلاف مزاحمت مقصود تھی تو پھر انہوں نے عربی ادب، عربی زبان کے قواعد، عربی صرف و نحو، معانی و بیان و بدیع اور عربی بلاغت پر کیوں اپنی فکری توانائیاں ضائع کیں اور اب تک کرتے چلے آ رہے ہیں؟ اعتراف حقیقت ہرگز مذموم نہیں ہوتا درحقیقت عربی زبان کے لیے اہل ایران کی خدمات کا عربوں سے تقابل حقیقت کا منہ چڑانے والی بات ہے۔ اگر فارسی زبان کے فروغ سے اسلام یا اہل عرب یا عربی زبان کے خلاف مزاحمت مقصود ہوتی تو پھر اہل ایران عربی زبان کے بجائے فارسی کے قواعد اور اس کی بلاغت پر اپنا علم و زور قلم صرف کرتے۔ یا کم از کم عربی زبان کی ترویج و اشاعت میں سستی و کوتاہی کا مظاہرہ کرتے۔ اہل ایران کے فارسی زبان کی طرف رجحان کی وجہ ہرگز یہ نہ تھی کہ انہیں اسلام یا اہل عرب سے کوئی کدیا پرخاش تھی یا وہ عربی زبان کو اجنبی خیال کرتے تھے بلکہ اس کے برعکس وہ عربی زبان کو

دین اسلام کی زبان تصور کرتے تھے نہ کہ اہل عرب کی' نیز چونکہ وہ دین اسلام کو پوری نوع انسانی کا دین سمجھتے تھے اس لیے عربی زبان پر بھی وہ اپنے اور پورے عالم اسلام کے مساویانہ حق کے قائل تھے۔

حق یہ ہے کہ اگر دیگر زبانیں مثلاً فارسی' ترکی' انگریزی' فرانسیسی اور جرمن میں سے ہر ایک زبان صرف ایسی قوم و ملت کے ساتھ مختص ہے تو پھر عربی زبان محض ایک کتاب کی زبان ٹھہرے گی۔ مثال کے طور پر اگر فارسی زبان کسی قوم و ملت کی زبان متصور ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی بقا و احیا میں بے شمار لوگ شریک ہیں اگر اس کام میں ہر شخص انفرادی طور پر شریک نہ ہوتا تو بھی فارسی زبان دنیا میں موجود ہوتی۔ اس لیے کہ فارسی زبان کا تعلق کسی ایک فرد یا کتاب سے نہیں ہے اور نہ یہ رودکی' فردوسی' نظامی' سعدی' مولوی اور حافظ وغیرہ کی میراث ہے بلکہ یہ سب کی مشترکہ زبان ہے لیکن اس کے برعکس عربی صرف قرآن نامی ایک کتاب کی زبان ہے اور صرف قرآن مجید ہی عربی زبان کی بقا و احیا کا واحد سبب ہے۔ ابتک جتنے بھی قلمی آثار اس زبان میں معرض وجود میں آئے ہیں وہ قران کی روشنی کو عام کرنے کی خاطر ہی وجود پذیر ہوئے ہیں۔ قواعد زبان سے متعلق تمام علوم کی تدوین کی غایت خدمت قرآن کے علاوہ یقیناً کچھ نہ تھی۔

جن لوگوں نے اس زبان کے لیے خدمات سرانجام دیں' کتب تحریر کیں' ان کے پیش نظر قرآن مجید کا ابلاغ تھا۔ کتب فلسفہ' عرفان' تاریخ' طب' ریاضی و قوانین وغیرہ جن کا عربی میں ترجمہ کیا گیا یا عربی زبان میں تالیف کی گئیں ان سب رجحانات کا مقصود قرآن مجید تھا۔ چنانچہ عربی زبان ایک کتاب کی زبان ہے کسی قوم یا ملت کی زبان نہیں (پھر اس سے دشمنی کا مفہوم؟)

اگر معروف و برگزیدہ شخصیات اپنی مادری زبان کی نسبت عربی زبان کے لیے زیادہ احترام کی قائل نظر آتی ہیں تو اس بات کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا سبب نہیں ہے کہ وہ اسے کسی قوم یا ملت کی زبان کے بجائے اپنے دستور حیات کی زبان تصور کرتی تھیں' لہٰذا انہوں نے اسے اپنی قوم اور قومیت کی توہین پر کبھی محمول نہیں کیا۔ غیر عرب اقوام عربی زبان کو مذہبی زبان اور اپنی مادری زبانوں کو اپنی قومی زبانیں سمجھتی تھیں۔

ادبی خدمات

کسی زبان کے ادب سے مراد صرف و نحو' بلاغت و شاعری اور تاریخ ہوتی ہے' اس میدان میں اہل ایران نے بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں' جیساکہ مذکور ہوا کہ عربی زبان کے

لیے ایرانیوں کی خدمات نہ صرف عربوں بلکہ ان کی اپنی زبان یعنی فارسی کے لیے کی جانے والی کاوشوں سے بھی کہیں زیادہ ہیں اور بلاشبہ انہوں نے یہ خدمات محض اپنی دینی و مذہبی زبان کی خدمت کے جذبے کے تحت سرانجام دیں۔ اہل ایران دیگر پاکیزہ سرشت مسلمانوں کی طرح عربی زبان کو اہل عرب کی زبان نہیں بلکہ اسے قرآن مجید اور عالم اسلام کی زبان سمجھتے تھے۔ بنابریں انہوں نے اس زبان کی تحصیل و تدوین میں غیر معمولی جذب و شوق کا مظاہرہ کیا۔

عربی ادبیات کا آغاز عربی زبان کے قواعد یعنی صرف و نحو سے ہوتا ہے۔ تمام مسلم مورخین کا اس امر پر اجماع ہے کہ علم نحو کے بانی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ علامہ سید حسن صدر مرحوم نے اپنی تالیف "تاسیس الشیعہ" میں اس کو ناقابل تردید دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو الاسود دوئلی' ایک غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک انسان' کو علم نحو کے بنیادی اصول تعلیم فرما کر حکم دیا کہ مزید غور و خوض سے وہ خود اس کام کو آگے بڑھائیں۔ انہوں نے امیر المومنین کے امر کی تعمیل کی اور جو کچھ ان سے بن پڑا اسے اپنے دو صاحبزادوں عطاء بن الاسود اور اباحرب بن الاسود کے علاوہ چند دیگر شاگردوں مثلاً یحیی بن یعمر' میمون اقرن' یحیی بن نعمان اور عینہ الفیل کو منتقل کر دیا۔ ایک روایت ہیں کہ عرب کا اصمعی اور ابو عبیدہ ایرانی جو اسلامی ادب کے دو نامور ادیب مانے جاتے ہیں' دونوں عطا بن ابوالاسود کے شاگرد تھے۔

خلیل بن احمد فراہیدی عروضی جن کا شمار علم نحو کے صاحب الرائے مجتہدین اور صف اول کے علماء و نوابغ میں ہوتا ہے' دوسرے طبقے میں آتے ہیں۔ مشہور و معروف نحوی سیبویہ مولف "الکتاب" خلیل کے شاگردوں میں سے ہے۔ اخفش نحوی نے دونوں مذکورہ شخصیات سے اکتساب کیا۔

اس طبقے کے بعد علماء نحو دو فرقوں یعنی کوفیوں اور بصریوں میں مشہور شاعر کسائی اور اس کا شاگرد فرا اور فرا کا شاگرد ابو العباس ثعلب اور ابو العباس کا شاگرد ابن الانباری سب کوفی مسلک سے وابستہ تھے جبکہ سیبویہ' اخفش' مازنی' مبرد' زجاج' ابو علی فارسی ابن جنی اور عبدالقادر جرجانی جو سب بالترتیب استاد شاگرد ہیں' کا تعلق بصری مسلک سے تھا۔

مندرجہ بالا شخصیات میں سے بعض کا تعلق ایران سے تھا ذیل میں چند معروف اور ممتاز ایرانی ادباء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ یونس بن حبیب متوفی ۱۸۳ھ کے متعلق ابن الندیم مولف "الفہرست" رقم طراز ہے

کہ یہ عجمی الاصل ہے۔

۲۔ ابو عبیدہ معمر بن المثنی متوفی ۲۱۰ھ ایرانی تھا۔

۳۔ سعدان بن مبارک طحارستانی (ایرانی) ہے۔

۴۔ ابو بشر' عمر بن عثمان بن قنبر المعروف سیبویہ متوفی ۱۸۰ھ اہل فارس میں سے ہے مقام بیضا میں' میں پیدا ہوا حوزہ علمیہ بصرہ میں تعلیم پائی۔ سیبویہ کی علم نحو کے موضوع پر تالیف ''الکتاب'' بہت مشہور اور مقبول ہوئی اور متعلقہ فن پر یکتائے روزگار کتب میں شمار ہوتی ہے اور اسے وہی مقام حاصل ہے جو علم ہیت میں بطلیموس کی مجسطی اور منطق صوری میں ارسطو کی ''منطق'' کو حاصل ہے۔ متعدد مرتبہ پیرس' برلن' کلکتہ اور مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ سید بحر العلوم اور دیگر محققین کے نزدیک تمام علماء نحو سیبویہ کی اولاد ہیں۔

۵۔ سعید بن سعدہ المعروف اخفش متوفی ۲۱۵ جو علم نحو میں صف اول کے علماء میں شمار ہوتے ہیں ایرانی تھے۔

۶۔ علی بن حمزہ کسائی بلاشبہ ایرانی تھے' ان کے مورث اعلیٰ کا نام فیروز تھا۔

۷۔ فرا۔ یہ بھی ایرانی تھے۔

۸۔ محمد بن قاسم انباری المعروف ابن الانباری جیساکہ نام سے ظاہر ہے انبار کے رہنے والے تھے جو ساسانیوں (ایرانی بادشاہوں) کے عہد حکومت میں غلات کا سٹاک تھا۔

۹۔ ابو اسحاق' ابراہیم بن سری بن سہل المعروف زجاج متوفی ۳۱۰ھ مبرد اور ثعلب کے شاگرد تھے۔

۱۰۔ ابو علی فارسی ۲۸۸-۳۷۷ اہل فارس میں سے تھے اور دیالمہ کے ہمعصر تھے۔ نحویوں کا ایک گروہ انہیں خاتم نحو یین مانتا ہے۔

۱۱۔ سلامتہ میں عیاض شامی کتاب ''المصباح'' سے نقل کرتے ہیں کہ مشہور یہ ہے۔ ''فتح النحو بفارس و ختم بفارس'' یعنی نحو کا آغاز سیبویہ کے ذریعے فارس سے ہوا اور فارس میں ہی ابو علی فارسی کی وفات سے اس کا اختتام ہوگیا۔ (لیکن اس بیان میں مبالغہ صاف نظر آ رہا ہے۔)

۱۱۔ عبدالقاھر جرجانی۔ ادیب نحوی' مشہور معانی بیانی لغوی متوفی (۴۷۱ یا ۴۷۴ھ) جرجان سے نسبت ایرانی ہونے پر صاف صاف دلالت کر رہی ہے۔ ان مرد فاضل و بزرگوار کا شمار علماء نحو میں بھی ہوتا ہے۔ عبدالقاہر کی علم بلاغت میں گراں بہا کتب اب تک مرسوم و متداول ہیں۔ ان میں سے اسرار البلاغ' دلائل الاعجاز' اعجاز القرآن وغیرہ کی اہمیت و شہرت میں اب تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

اسی طرح تیسری صدی ہجری میں ابو حاتم سیستانی' ابن سکیت اھوازی' ابن قتیبہ دینوری مولف ادب الکاتب' المعارف' عیون الاخبار وغیرہ اور ابوحنفیہ دینوری جوکہ ادب کے علاوہ فلسفی' ریاضی دان اور مورخ تھے' کے علاوہ ابو بکر سمرقندی سب سرزمین فارس کے سپوت ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے حسن بن عبداللہ بن مرزبان سیرافی شیرازی جن کا تعلق ایک مجوسی خاندان سے تھا لیکن ان کے والد عبداللہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ یوسف بن حسن بن عبداللہ بن مرزبان سیرافی اور ابوبکر خوارزمی طبرستانی الاصل اور ابن خالویہ ہمدانی ہیں۔

پانچویں صدی ہجری۔ ابو مسلم اصفہانی' ساتویں صدی کے نجم الائمہ استر آبادی المعروف رضی سب کے سب ایرانی تھے۔

علاوہ بر آں مذکورہ عبدالقاھر جرجانی اور محمد بن عمران مرزبانی خراسانی متوفی ۳۷۱ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ علم بیان کے حقیقی بانی ہی تھے نہ کہ عبدالقاہر جرجانی اسی طرح زمخشری' صاحب بن عباد طالقانی متوفی ۳۸۵' سکاکی خوارزمی متوفی قرن ہفتم قطب الدین شیرازی شارح ''مفتاح سکاکی'' متوفی ۷۱۰' تفتازانی نسائی یا سرخسی متوفی ۷۹۱ اور میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ کا تعلق بھی ایران سے تھا۔ اہل لغت میں بھی اہل ایران کی تعداد کسی سے کم نہیں جیسے جوہری نیشاپوری صاحب صحاح اللغتہ متوفی قرن چہارم۔ راغب اصفہانی متوفی ۵۶۵ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس اللغہ متوفی ۸۱۶۔ میدانی نیشاپوری مولف السامی فی الاسلامی و مجمع الامثال متوفی ۵۱۸ وغیرہ۔

اسی طرح مورخین اسلام کے ایک گروہ کا تعلق بھی ایران سے تھا جیسے ابو حنیفہ دینوری' ابن قتیبہ دینوری' طبری' بلاذری متوفی ۲۸۹ ابو الفرج اصفہانی اموی الاصل متوفی ۳۵۶ اور حمزہ اصفہانی متوفا ۳۵۰۔ جرجی زیدان سیوطی کی اتباع میں اس روایت کے قائل ہیں کہ عہد اسلام کے سب سے پہلے دو ہمعصر مورخ محمد بن اسحاق مطلبی مولی عین التمر اور عروہ بن الزبیر ہیں جو اپنی نسبت معروف صحابی رسول زبیرؓ ابن عوام کی طرف کرتے ہیں۔ ابن الندیم نے الفہرست میں قرون اولی کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جو ''مولی'' بتائے جاتے ہیں اور موالی بظاہر غیر عرب تھے۔ اس وقت میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ لفظ ''مولی'' کا اطلاق صرف ایرانیوں پر ہوتا ہے یا ان تمام عرب و غیر عرب اقوام یا کسی عرب قبیلہ سے ہم پیمان قوم پر ہوتا ہے۔ بہرحال ابن الندیم کچھ شخصیات کے اسامی کے ساتھ تو صرف لفظ مولی کا اضافہ کرتا ہے۔ لیکن بعض کے متعلق صراحت کر دیتا ہے کہ ان کا تعلق ایران سے تھا۔ جیسے مشہور مورخ واقدی متوفی ۲۰۸ ابو القاسم حماد بن سابور دیلمی متوفی ۱۵۶' ابو جناد بن واصل الکوفی' ابو الفضل محمد بن احمد بن

عبدالحمید الکاتب، علان بن شعوبی کلینی رازی وغیرہ۔

البتہ اس امر میں مبالغہ یا غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ عربی ادب یعنی صرف و نحو، بلاغت و تاریخ وغیرہ سب کے سب علوم کی تدوین محض ایرانیوں کے ہاتھوں نہیں ہوئی ہے بلکہ دیگر اقوام میں بھی عربی ادب کی نامور اور غیر معمولی قابلیت و استعداد کی حامل شخصیات موجود ہیں جن میں عرب، اندلسی، مصری، شامی، کرد، ترک یا رومی سب شامل ہیں۔

میں اپنی گفتگو کا اختتام حافظ کے اس شعر پر کرتا ہوں۔

اگرچہ عرض ہنر پیش یاربی ادبی است
زبان خموش و لکن دہان پر از عربی است